اساتذہ اور جدید آلاتِ علم کا فرق
(اسلام کی شاندار تاریخی وتعلیمی روایات کی روشنی میں)

ڈاکٹر گوہر مشتاق

دینِ اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہ دین ہم تک اساتذہ کے ذریعے پہنچا ہے۔ یہی چیز دینِ اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جب آپ نے فرمایا تھا: لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء. اگر دین میں سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص اسلام کے متعلق جو چاہتا کہہ دیتا۔

''سند'' سے مراد ہے کہ ہم نے یہ حدیث یا یہ اسلامی بات کس استاد سے حاصل کی اور اس نے یہ بات کس استاد سے سیکھی، وغیرہ۔ قرآن نے ہمیں تاکید کی ہے کہ جب ہم نے علم حاصل کرنا ہو تو ہمیں چاہیے کہ ہم ''اہلِ ذکر'' یعنی علماء کی طرف رجوع کریں۔ ﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾(۱) اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔

ایسے علماء کے متعلق قرآن بتاتا ہے کہ وہ خوفِ خدا رکھتے ہیں:

﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٓؤا﴾(۲) اللہ کے بندوں میں سے تو صرف اہلِ علم ہی اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایسے اساتذہ کے متعلق قرآن یہ بھی فرماتا ہے:

﴿یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت﴾ (۳) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جو اصحابِ علم وفضل ہیں، ایسے لوگوں کے درجات اللہ نے بلند فرمائے ہیں۔

اسی سلسلہ تعلیم وتفہیم کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اساتذہ میں شمار فرمایا: انما بعثت معلما (۴) مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ کو جبرئیل امینؑ جیسے مضبوط استاد نے پڑھایا: علمه شديد القوى (۵) حضور کو ایک زبردست قوت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مؤطا میں صحیح سند کے ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز صحیح اوقات بتانے کے لیے جبرئیل کو آپ کے پاس بھیجا اور جبرئیل نے امام بن کر آپ کو نماز پڑھائی جبکہ آپ مقتدی تھے۔ جبرئیل نے دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں حضورؐ کو پڑھائیں۔

آج کے دجالی دور میں جہاں معاشرے کی مذہبی اقدار کی اہمیت کو کم کیا جارہا ہے، وہاں پر والدین اور اسلامی علوم کے اساتذہ کی عزت و احترام کو بھی گھٹایا جارہا ہے۔ دینی مدارس کی مٹی پلید کرنے کے لیے میڈیا پر پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین اور مذہبی مدارس کے معلمین کسی معاشرے کی مذہبی اقدار کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔ نہ رہے گا باس، نہ بجے گی بانسری، اس کے برعکس مسلمانوں کو میڈیا کے ذریعے اسلامی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ مذہبی اساتذہ سے اسلامی علوم کی تحصیل کی جائے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ UNO کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کی مسلمان ممالک میں تکمیل کی جاسکے۔

مشینی اساتذہ اور انسانی اساتذہ کا موازنہ

موجودہ دور میں اسکولوں میں بچوں کو اساتذہ کی بجائے کمپیوٹر سے پڑھانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کئی جگہوں پر ٹیچنگ کے فرائض اساتذہ کی بجائے کمپیوٹرز سے لیے جانے لگے ہیں۔ یہی رجحان اسلامی علوم میں بھی منعکس ہونا شروع ہوگیا ہے۔ آج کل قرآن حفظ کرنے والے کمپیوٹر پروگرام (Software) نکل آئے ہیں۔ اسی طرح کچھ مسلمان کلاسیکل اسلامی علماء کی کتابوں سے علم حاصل کرنے کی بجائے انٹرنیٹ سے اسلامی علوم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خواتین و حضرات اپنے گھروں میں ڈش یا کیبل ٹی وی چینل لگواتے ہیں وہ بھی اپنے ضمیر کی خلش لوگوں سے یہی کہہ کر مٹاتے ہیں کہ ''اصل میں ٹی وی کے اسلامی چینل پر درسِ قرآن آتا ہے'' یا ''بچوں کو قرآن پڑھنا سکھایا جاتا ہے'' یا ''مکہ مکرمہ کی تراویح براہ راست دکھائی جاتی ہیں''، وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ ان چیزوں کا ماخذ صحیح نہیں اس لیے ان سے بھلائی کی کوئی امید نہیں لگائی جاسکتی۔ یہ چیزیں تو صرف: ''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے'' کی مصداق ہیں۔ مشینیں جب تک انسان کی غلام رہیں تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔ جب مشینیں انسان کی استاد بن جائیں تو پھر وہی ہوتا ہے جو اقبال نے فرمایا تھا:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت   احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

حقیقت یہ ہے کہ مشین کبھی انسانی استاد کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیونکہ انسان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم (۶) بیشک ہم نے بنی نوع انسان کو عزت بخشی۔

ٹیچر انسان کو جو علم دیتا ہے، وہ معلومات کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات واحساسات اور جذبۂ انسانیت بھی لیے ہوئے ہوتا ہے جبکہ کمپیوٹر، ٹی وی اور ویڈیو کے ایجوکیشنل پروگراموں سے جو معلومات شاگردوں کو ملتی رہیں وہ جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ماں کا دودھ غذائیت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت و جذبات بھی رکھتا ہے جبکہ بوتل کے دودھ میں صرف غذائیت ہوتی ہے جیسا کہ ایک اسرائیلی سائنس داں ٹیزک کوچ (Yitzhak koch, Ph.D) نے کہا تھا: ''ماں کا دودھ بچے کو صرف غذائیت ہی نہیں دیتا، دراصل اس ذریعے سے ماں علم اور جذبات کو بچے تک منتقل کرتی ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ کہا جاتا ہے۔ عرب شاعر احمد شوقی نے کہا تھا:

الامّ مدرسۃ اذا عددتھا اعددت شعبا طیب الاعراق

''مائیں مدرسے کی طرح ہوتی ہیں۔ اگر تم ان کو تیار کرو گے تو ایک مضبوط بنیادوں والی قوم تیار کرلو گے۔''

بچے کے پہلے اساتذہ اس کے ماں باپ اور پھر اسکول اور مذہبی مدارس کے معلمین اس کے اساتذہ ہوتے ہیں جو اس کو اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتے ہیں۔ دجالی نظام میں بچوں کو انسانی اساتذہ سے حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کینیڈا کے اخبار ٹورانٹو گلوب اینڈ میل (Toronto Globe and Mall) کی خاتون صحافی میرین کیسٹر (Marian Kaster) نے اس سلسلے میں بہت دلچسپ بات کہی ہے:

> ''اگر بچوں کو ٹی وی کے ذریعے والدین سے دور کردیا جائے گا۔ ویڈیو گیمز کے ذریعے اپنے ہم عمر کھیلنے والوں سے دور کردیا جائے گا اور ٹیچنگ مشینوں (ٹی وی کمپیوٹر پروگرام وغیرہ) کے ذریعے اساتذہ سے دور کردیا جائے گا تو وہ انسانیت کہاں سے سیکھیں گے؟'' (۷)

جرمنی کا ماہر تعلیم ڈاکٹر رُوڈالف سٹائنر (Dr. Rudolf Steiner) جو کہ بہ یک وقت فلسفہ، مذہب، علم نفسیات، آرٹ، تاریخ، معاشیات اور سیاسیات میں ماہر تھا اس نے ۱۹۱۹ء میں جرمنی میں پہلے والڈارف (Woldorf) اسکول کی بنیاد رکھی اور چند ہی سالوں میں والڈارف طریق تعلیم پوری مغربی دنیا میں پھیل گیا۔ اس طرزِ تعلیم کا مقصد انسانوں کی روح کو Educate کرنا ہوتا ہے۔ امریکی ماہر تعلیم ڈاکٹر رونلڈ کوئزک (Dr. Ronald E.Koetzsch) اپنی کتاب "The Parent' Guide to Alternatives in Education" (مطبوعہ بوسٹن، ۱۹۹۷ء) میں والڈارف اسکولوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ پرائمری اسکول کلاسز میں استاد شاگرد کے رشتے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور مشینوں کی بجائے اساتذہ بچوں کو پڑھاتے ہیں:۔ ڈاکٹر رونلڈ لکھتے ہیں:

"Electronics teaching aids, television, audio and video tapes, and flims are not used. These are thought to interfere with the direct relationship between teacher and child and to undermine the imagination and creativity of both." (8)

''اس طریق تعلیم میں مشینی ٹیچنگ کے سہارے، ٹی وی، آڈیو اور ویڈیو ٹیپ اور فلمیں نہیں استعمال کی جاتیں۔ ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ استاد اور بچے کے براہ راست تعلق میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور استاد اور بچے دونوں کی قوتِ تخیل اور قوتِ تخلیق کو کم کرتی ہیں۔''

والدین کو یہ بات کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ٹی وی یا کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر ان کے بچے کبھی بھی ٹھوس علم حاصل نہیں کرسکتے۔ ان سے بغیر کسی سند وحوالے کے اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے والا علم تو حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن مستند اسلامی علم صرف انسانی اساتذہ اور والدین سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے بچے کا انسان سے رابطہ نہایت اہم ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم تحقیق ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) کی تحقیقی آرگنائزیشن ''پروجیکٹ زیرو'' (Project Zero) نے کی۔ اس تحقیق میں بچوں کی ایک کہانی "The Three Rebbers" (جس کا مصنف ٹامی انجرر Tomi Ungerer تھا۔) کے دو مختلف قسم کے ایڈیشن تیار کیے گئے۔ ایک کتابی صورت میں اور دوسرا ٹی وی پر دکھائی جانے والی تصاویر کی صورت میں۔ کتابی صورت میں کہانی کو ایک محقق نے بچوں کے گروپ کے سامنے بیٹھ کر انھیں وہ کہانی پڑھ کر سنائی۔ اس کے برعکس دوسری صورت میں بچوں کے دوسرے گروپ کے سامنے وہی کہانی انھیں ٹی وی پر تصاویر کی صورت میں اسی محقق نے بیان کی۔

اس تحقیق کے نتائج حیرت انگیز تھے۔ جن بچوں نے کہانی کو کتابی صورت میں ایک استاد سے directly سنا۔ انھیں کہانی کی تفصیلات ان بچوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ یاد تھیں جنھوں نے وہ کہانی ٹی وی پر دیکھی، اس کے علاوہ استاد سے کتابی کہانی سننے والے بچوں کے لیے کتاب میں بیان کیے گئے الفاظ اور محاوروں کو یاد رکھنا اور دُہرانا بہت آسان تھا جب کہ ٹی وی پر کہانی دیکھنے والوں اور سننے والے بچوں کے لیے یہ کام مشکل ہوگیا تھا۔ اس پروجیکٹ کا ڈائریکٹر ہاورڈ گارڈنر (Dr. Howard Gardner) تھا جو کہ پوری دنیا میں انسانی ذہانتوں کے نظریے (Theory of Multiply intelligences) پیش کرنے کی وساطت سے مشہور ہے۔

ڈاکٹر گارڈنر نے ان نتائج کی تشریح میں بتایا کہ ٹی وی پر کہانی دیکھنے والے بچے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے تصاویر پر زیادہ مرکوز کرتے تھے جبکہ کہانی کو کتابی صورت میں استاد سے سننے والے بچوں میں حقائق کی روشنی میں نتائج نکالنے اور نئے خیالات تخلیق کرنے کی صلاحت کئی گنا زیادہ تھی۔ اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ٹی وی یا انٹرنیٹ کو علم حاصل کرنے کے میڈیم کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا جبکہ کتاب کو علم حاصل کرنے

کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کے الفاظ تھے: ''اقرأ'' یعنی ''پڑھو'' اور یہ نہیں کہا گیا ''انظر'' یعنی ''دیکھو''۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی سمجھ میں آتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

قیدو العلم بالکتابة (۹) ''علم کو (کتاب میں) لکھ کر محفوظ کرو۔''

مغربی ماہر نفسیات خاتون برینی آلین ماسکووٹز (Ariene Moskowitz) کی تحقیقات کا میدان بچوں میں زبان سیکھنا ہے۔ اس نے اپنی کتاب Emergence of Language (مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۱ء) میں ایک ایسے بچے کی کیس ہسٹری بیان کی ہے جو کہ خود تو سن سکتا تھا لیکن اس کے والدین بہرے تھے۔ وہ بچہ دَمے کی مرض کی وجہ سے زیادہ تر گھر پر رہتا تھا۔ اس کے والدین اس سے اشاروں کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اس کے والدین اس بچے کو روزانہ کئی گھنٹے ٹی وی کے سامنے بٹھاتے تھے تاکہ وہ انگریزی زبان سیکھ جائے۔ تین سال کی عمر کو پہنچ کر بھی وہ بچہ اشاروں کی زبان میں تو گفتگو کر سکتا تھا لیکن وہ نہ انگریزی بول سکتا تھا، نہ سمجھ سکتا تھا۔ اس بچے پر سالہا سال تحقیق کرنے کے بعد ڈاکٹر ماسکووٹز جس نتیجے پر پہنچی وہ درج ذیل ہے:

''ٹی وی کو زبان سیکھنے کے ذریعے کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگرچہ یہ سوالات پوچھ سکتا ہے لیکن ٹی وی بچے کے سوالات کا جواب نہیں دے سکتا (کیونکہ وہ بے جان ہے۔) اس لیے ایک بچہ تب ہی زبان سیکھ سکتا ہے جبکہ اس کے ماحول میں زبان بولی جاتی ہو اور وہ بچہ اس زبان کو اپنے قریبی ماحول میں موجود انسانوں سے گفتگو میں استعمال کر سکے۔''

یہاں یہ بات بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بہت سی ماؤں نے اپنے گھروں یا دوسرے لوگوں کے گھروں میں جا کر یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ اس گھر میں جو بچہ یا نوجوان بہت زیادہ ٹی وی، انٹرنیٹ یا کمپیوٹر کا شوقین ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ خاموش ہوتا ہے اور حتیٰ الوسع لوگوں میں میل جول سے دور رہتا ہے۔ یہ سب مشینی اساتذہ کا کمال ہے۔

علم، صبر سے حاصل ہوتا ہے:

عربی میں کہا جاتا ہے: ''انما العلم بالتحلم''، ''علم، حلم اور صبر سے حاصل ہوتا ہے۔ جب موسیٰ کی ملاقات خضرؑ سے ہوئی تو آپ نے ان سے کہا:

﴿قال لہ موسیٰ هل اتبعك علیٰ أن تعلمنی مما علمت رشدا O قال انك لن تستطیع معی صبراO﴾ (۱۰)

''موسیٰ نے اس سے کہا: ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس علم کی تعلیم دیں جو

آپ کو سکھایا گیا ہے؟" اس نے جواب دیا۔"آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ کو جو جواب دیا اس میں علم کے لیے صبر کو شرط قرار دیا کیونکہ علم مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا تھا:

اصبر علیٰ مر الجفا من معلم فان رسوب العلم فی نفراتہ (۱۱)

"تم استاد کی بے رخی (خشک طبیعت) کو برداشت کرو۔ کیونکہ علم کی ناکامی استاد سے نفرت میں پوشیدہ ہے۔"

انسان کو فرشتوں پر جو فوقیت حاصل ہے، اس کا اصل سبب علم ہی ہے وگرنہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے جو نور سے کم تر ہے۔ انسان کی تکریم کا اصل سبب علم ہے، نسب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم مشقت سے حاصل ہوتا ہے، آرام و آسائش سے مشینوں کی معیت میں نہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو جبرئیلؑ نے آ کر کہا "اقرأ" یعنی پڑھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما انا بقاری۔ "مجھے پڑھنا نہیں آتا"۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اس کے بعد جبرئیلؑ نے مجھے پکڑ کر تین مرتبہ اس زور سے دبوچا کہ میرے جسم کی طاقت سلب ہوگئی اور پھر کہا: اقرأ باسم ربك الذی خلق "پڑھو، اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔" میں نے پڑھ دیا۔ (۱۲) بعض علمائے اسلام کے مطابق جبرئیلؑ کا حضور کو پڑھنے کا کہہ کر اتنا زور سے دبوچنا کہ انھیں محسوس ہوا کہ ان کے جسم کی طاقت سلب ہوئی، دراصل یہ بتانے کے لیے تھا کہ علم، جسمانی مشقت اور تحمل سے حاصل ہوتا ہے۔

ہمارے عظیم علماء اور ائمہ کرام کی مائیں اس نکتے کو سمجھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک کو مدرسے بھیجتے ہوئے ان کی والدہ امام مالک کو نصیحت کیا کرتی تھیں۔ خذ من حلمہ قبل علمہ. یعنی اپنے استاد امام ربیعہ سے علم حاصل کرنے سے پہلے تم ان کا حلم اور صبر سیکھنا۔ یہ علم کی فطرت ہے کہ یہ مشقت، صبر اور ریاضت (Practice) سے حاصل ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات ہمیں بتاتے ہیں، جتنی زیادہ ریاضت اور دہرائی (Reptition) کی جائے، علم ذہن میں اتنا ہی پکا ہوتا ہے۔ یہ چیز ٹی وی اور انٹرنیٹ جیسے مشینی اساتذہ دینے سے قاصر ہیں۔

امریکہ کی ایک خاتون محقق ٹینس میکبیتھ ولیمز (Tennis ac Beth Williams) اپنی کتاب "The Impact of television" (مطبوعہ فلوریڈا، ۱۹۸۶ء) میں لکھتی ہے کہ لاکھوں بچے جو ٹی وی پر علمی پروگرام (مثلاً Sesame Street وغیرہ۔) دیکھ کر حروف تہجی (Alphabate) اور ہندسے (Numbers) سیکھ لیتے ہیں ان کے لیے یہ مرحلہ بہت پُرلطف ہوتا ہے لیکن علم سیکھنے کا اگلا مرحلہ کھیل نہیں بلکہ شدید ریاضت طلب (Requiring Sloggin Practice) ہوتا ہے اور یہ پریکٹس ٹی وی سے نہیں آ سکتی بلکہ پڑھنے سے آتی ہے۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب......ادب کا فقدان

ملائیشیا کے فقید المثال اسلامی مفکر فلسفی اور ماہر تعلیم سید نقیب العطاس اپنی کتاب "Islam and Secularism" (مطبوعہ دہلی ۲۰۰۲ء) میں بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج ان میں ''ادب'' کا فقدان ہو گیا ہے۔ ''ادب'' سے مراد عزت واحترام اور نظم وضبط ہے۔ علم، ادب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن جو تمام علوم کا سرچشمہ ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ الواقعہ میں بتادیا ہے کہ اس کو طہارت کی ''باادب'' حالت میں چھوا جا سکتا ہے۔ ﴿لا یمسه الا المطهرون﴾ یہ قرآن سے استفادہ کرنے کا ادب ہے۔ یہ ادب احترام اور عاجزی کے بغیر ناممکن ہے۔ استاد انسان کو دین کے علم کے ساتھ ساتھ ادب اور انسانیت بھی سکھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: ادبنی ربی فاحسن تادیبی (۱۳) میرے رب نے مجھے حسن ادب سکھایا ہے۔

امام مالک کے شاگرد رشید عبداللہ بن وہب نے ایک مرتبہ فرمایا تھا ''میں نے امام مالک کی خدمت میں ۲۰ سال گزارے میں نے پہلے ایک سال میں ان سے تمام علم سیکھ لیا اور بقیہ ۱۹ سال ان سے ادب سیکھتا رہا۔ (۱۴) تعلیم کا بنیادی مقصد ہی ''تادیب'' ہوتا ہے۔ ''تادیب'' کے عربی زبان میں دو مطلب ہیں: ۱۔ ادب سکھانا، ۲۔ زبان سکھانا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ادب اور زبان (Language) دونوں چیزیں ایک انسانی استاد ہی سکھا سکتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم الذین یلونهم''

سب سے بہترین میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کا (صحابہ کا) زمانہ اور پھر اس کے بعد کا (تابعین کا) زمانہ۔

یہ دین اسلام ہمیں صحابہ کرام اور عظیم اماموں کی وساطت سے ملا ہے۔ سید نقیب العطاس اپنی کتاب Islam and Secularism میں لکھتے ہیں:

> ''اسلام کے عظیم علماء کے مقام کو سمجھے بغیر اور ان سے رہنمائی حاصل کیے بغیر یہ ناممکن ہے کہ ہم اسلام کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ آج کے دور کی مغربی تہذیب سے مرعوب مسلمان علماء اور کرائے کے حکومتی علماء الٰہ دین کے دور کے جادوگر کی طرح اسلام کو نئی تشریح کی صورت میں ہمیں نئے چراغ پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں الٰہ دین کی بیوی کی طرح کی حماقت نہیں کرنی چاہیے جس نے پرانے جادو کے چراغ

(Magic Lamp) کی اہمیت اور غیر معمولی خصوصیات کو نہیں سمجھا اور نئے چراغوں کے بدلے میں اسے بیچ ڈالا۔

یہ سب کچھ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ ان میں ادب ختم ہوتا جا رہا ہے۔ انھیں کیبل یا ڈش ٹی وی پر جو شخص بھی آ کر اسلام کی نت نئی تشریحات پیش کرتا ہے وہ اسی کو اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ ان چکنی چپڑی اسلامی تعلیمات کی جدید تعبیروں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو امریکہ کے تھنک ٹینک اداروں کا ایجنڈا اور پڑھایا ہوا سبق ہوتا ہے جو یہ روشن خیال اور ماڈرنسٹ ''اسلامی علماء'' ایک آنکھ والے دجال یعنی ٹی وی، ڈش، کیبل، انٹرنیٹ کی مدد سے مسلمانوں کو اسلامی علم کے نام پر پڑھاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان شریعت کے معاملے میں جتنا پیچھے جائیں، بہتر ہے۔ کیونکہ شریعت کے معاملے میں Old is Gold کا محاورہ صادق آتا ہے۔ عبدالقادر عودہ شہیدؒ نے اپنی کتاب ''اسلام کا فوجداری قانون'' (لاہور مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں بہت دلچسپ بات کہی ہے۔

> ''بلاشبہ جدید شے قدیم سے بہتر ہوتی ہے مگر اس وقت جب کہ جدید بھی انسانوں کی بنائی ہوئی ہو اور قدیم بھی انسانوں ہی کی ایجاد ہو۔ مگر کوئی بھی جدید شے کسی حال میں بھی اس قدیم کے مقام و مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی، جس قدیم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بنایا ہو۔ (۱۵)''

علومِ اسلامی کے اساتذہ کی اہمیت

یہ دینِ اسلام علماء کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، مشینوں سے نہیں بلکہ ہر قسم کا علم مکمل طور پر صرف ایک انسانی استاد سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا قول ہے: ''اگر تمھیں علم کی تلاش ہے تو اسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو، اس طرح تمھیں منتخب علم حاصل ہوتا۔'' (۱۶)

جو لوگ علماء کے گستاخ ہوتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ''باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔'' ابنِ عساکر ایک بہت بڑے مورخ اور محدث گزرے ہیں۔ انھوں نے علماء کے متعلق فرمایا: لحوم العلماء مسمومة علماء کا گوشت بہت زہریلا ہوتا ہے۔

یعنی اگر ہم اپنے علماء کی عزت نہیں کریں گے اور ان کی غیبت کریں گے تو اس غیبت کا زہر ہمارے ایمان کو تباہ کر دے گا۔ علماء، اساتذہ اور معلمین علم کی ترویج و تبلیغ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے: ان العمماء ورثة الانبیاء (۱۷) علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

مذہبی استاد، صرف استاد نہیں ہوتا بلکہ ایک عربی (سرپرست) بھی ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے:

لولا مربی لما عرفت ربی. "اگر میرا استاد نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔"

مسلمان استاد انسان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق سکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کا علم غیر مسلم مستشرقین کی کتابیں پڑھ کر یا ان کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پاس عشقِ رسول کی دولت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی غیر مسلم اساتذہ کے متعلق پنجابی شاعر میاں محمد بخش نے فرمایا تھا:

قدر پھلاں دی بلبل جانے صاف دماغاں والی — قدر پھلاں دی گدھ کی جانے مردے کھاون والی

قدر نبیؐ دی جانن والے سوں گئے وچ مدینے — قدر نبیؐ دی ایہہ کی جانن دنیا دار کمینے

تاریخ اسلامی سے چند درخشاں مثالیں

تاریخ اسلامی گواہ ہے کہ مسلمان اساتذہ کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ قدر و منزلت حاصل رہی ہے۔ یہاں اس مضمون کے اختتام پر تاریخ اسلامی سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کو اپنے استاد امام حماد سے اس قدر محبت تھی کہ آپ امام حماد کے گھر پر جا کر ان کے گھر کے کام کاج کرتے۔ چکی پیستے، گھر کا سودا سلف بازار سے لا کر دیتے۔ گھر میں امام حماد کے مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے۔ اسی لیے ایک مرتبہ امام حماد کو ایک ماہ کے لیے کہیں دور دراز کا سفر کرنا پڑا اور واپس گھر لوٹے تو ان کے بچوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو ہم بیٹوں میں سے سب سے زیادہ کون یاد آیا؟ اس پر امام حماد نے فرمایا کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم لوگوں کی بجائے ابوحنیفہ سب سے زیادہ یاد آیا۔" امام ابوحنیفہ نے استاد کے احترام میں امام حماد کی زندگی میں منصب افتا نہیں سنبھالا۔

امام مالکؒ جب نوجوان لڑکے تھے اور علم حدیث سیکھ رہے تھے تو آپ امام نافعؒ (جو صحابی رسول عبداللہ بن عمرؓ کے غلام اور عظیم شاگرد تھے) کے گھر کے سامنے گرمی کی تپتی دوپہر کو درخت کے نیچے سو جایا کرتے جب کہ آپ کا جسم پسینے سے شرابور ہوتا تھا۔ یہ اس لیے کرتے کہ جب امام نافعؒ عصر کی نماز کے لیے نکلیں تو راستے میں ان سے چند احادیث اور فقہی مسائل پوچھ لیں، ورنہ مسجد میں تو امام مالکؒ کی بہن کھڑکی سے امام مالک کو اس حالت میں دیکھتی تو اس کا دل پریشان ہو جاتا لیکن امام مالک کے والد اس کو تسلی دیتے ہوئے کہتے کہ فکر نہ کرو، مالک اسلامی علوم کے لیے یہ تکالیف برداشت کر رہا ہے۔

اسپین کے قاضی یحیٰی بن یحیٰیؒ وہ شخص تھے جنھوں نے مسلمانوں کے دورِ حکومت میں پورے اسلامی اسپین میں امام مالکؒ کی فقہ کو عام کیا۔ طالب علم کے دور میں جب وہ مدینہ آ کر امام مالکؒ سے علم حدیث اور فقہ حاصل کر رہے تھے تو ایک مرتبہ مدینہ میں ہاتھی لایا گیا۔ طالب علموں کی خواہش پر امام مالک نے سب طالب علموں کو اجازت

دے دی کہ وہ جا کر گلی میں ہاتھی کو دیکھ آئیں۔ شاگرد چلے گئے سوائے ایک شاگرد یحییٰ بن یحییٰ کے۔ جب امام مالکؒ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں ہاتھی دیکھنے نہیں گئے تو یحییٰ بن یحییٰ نے جواب دیا: ''میں اسپین سے مدینہ ہاتھی دیکھنے نہیں آیا بلکہ آپ سے علم حدیث حاصل کرنے آیا ہوں۔''

شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنے مرشد سید احمد شہید بریلویؒ کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سید احمد شہیدؒ نے انھیں کسی کام سے دوسرے قصبے میں اپنا ذاتی گھوڑا دے کر بھیجا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پورا راستہ پیدل طے کیا۔ واپسی پر جب سید احمد شہید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو شاہ اسماعیل شہید فرمانے لگے:

''جس گھوڑے کی پیٹھ پر میرا استاد سوار ہوتا ہے مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ میں اس گھوڑے پر سواری کروں۔''

علامہ اقبالؒ کو اپنے اساتذہ کا بے حد احترام تھا۔ ایک بار اپنے ایک استاد شمس العلماء مولوی میر حسن کو سیالکوٹ کے بازار سے گزرتے دیکھا۔ آپ پر استاد کے ادب کا اس قدر غلبہ تھا کہ جوتے پہننے کا خیال بھی نہ رہا، بے ساختہ ننگے پاؤں استاد کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ استاد گرامی کا گھر آ گیا۔

سلطان باہوؒ کو اپنے استاد اور مرشد سے اتنی محبت تھی کہ اپنے عارفانہ کلام میں جا بجا اپنے مرشد کا ذکر کیا ہے:

الف اللہ چینبے دی بوٹی میر من وچ مرشد لائی ہو جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

مولانا رومؒ کا شجرۂ نسب سات واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہونے کے علاوہ مولانا رومؒ اپنے وقت میں قرآن، حدیث، فقہ اور فلسفہ کے ایک متبحر عالم بھی تھے۔ اس کے باوجود تزکیہ اور روحانی علوم کے حصول کے لیے اپنے وقت کے عظیم ولی اللہ مولانا شمس تبریزؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور ایسا کیا کہ شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ ایک روایت ہے کہ شمس تبریزؒ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی جو آگ ہے۔ انھیں کوئی ایسا باکمال شاگرد مل جائے جس کے سینے میں وہ عشق الٰہی کی آگ منتقل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں مولانا رومؒ جیسا شاگرد عطا فرمایا۔ اپنے استاد شمس تبریز کے متعلق مولانا رومؒ نے ایک مرتبہ درج ذیل اشعار بیان فرمائے۔

چیزے خود بخود چیزے نہ شُد
آہن خود بخود تیغے نہ شُد
مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

یہ تمام تاریخی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ علمائے اسلام کا مقابلہ کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار ے بیرہم خود بخود عظیم نہیں بن سکتے۔ ہمیں سائنسی علوم بھی حاصل کرنے چاہییں لیکن اسلام کا صحیح علم اور درد ہمیں علماء کے

سامنے گھٹنے ٹیک کر ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

بقول اقبال:

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حوالہ جات

۱۔سورہ النحل: آیت ۳۲

۲۔سورہ فاطر: آیت ۲۸

۳۔سورہ مجادلہ: ۱۱

۴۔سنن ابن ماجہ

۵۔سورہ النجم: آیت ۵

۶۔بنی اسرائیل: ۷۰

7. Jerry Mander, Wild Duck Review, Jan 1985.

8. Dr. Ronald E.Koetzsch, The Parent' Guide to Alternatives in Education" مطبوعہ بوسٹن، ۱۹۹۷ء

۹۔صید الخاطر۔لابن جوزی

۱۰۔سورہ الکہف: ۶۸، ۶۷

۱۱۔دیوان شافعی

۱۲۔تاریخ طبری جلد ا، الوفا باحوال المصطفیٰ لابن جوزی

۱۳۔کشف الخفاء

۱۴۔بحوالہ حیات امام مالک۔ابوزہرہ مصری

۱۵۔''اسلام کا فوجداری قانون۔عبدالقادر عودہ شہید'': لاہور مطبوعہ ۱۹۹۱ء

۱۶۔بحوالہ: تاریخ تعلیم وتربیت

۱۷۔سنن ترمذی

☆☆☆

آب زم زم اور بسم اللہ پر جدید ترین سائنسی تحقیق

آب زم زم میں پائی جانے والی قدرتی خصوصیات عام پانی میں ممکن نہیں' آب زم زم پر معروف جاپانی سائنسدان کی جانب سے کی جانے والی نئی تحقیق سے ثابت ہوگیا ہے کہ جو معدنی خصوصیات آب زم زم میں قدرتی طور پر موجود ہیں وہ خصوصیات عام پانی میں مصنوعی طور پر پیدا کرنا بھی ممکن نہیں ہیں تاہم اگر عام پانی کے ایک ہزار قطروں میں آب زم زم کا ایک قطرہ بھی شامل کردیا جائے تو عام پانی میں آب زم زم جیسی خصوصیات پیدا ہوسکتی ہیں۔

جاپان کے معروف سائنسی تحقیقاتی ادارے کے پروفیسر ڈاکٹر ایموتو نے ایک خبر رساں ادارے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انہیں ایک عربی دوست کے ذریعے ملنے والے آب زم زم کے پانی پر انہوں نے تحقیق کی تو حیرت انگیز باتوں کا انکشاف ہوا، جس میں سب سے اہم آب زم زم کے اندر ایک خاص بات جو تحقیقات سے ثابت ہوئی وہ یہ کہ مسلمان پانی پینے سے پہلے پانی پر بسم اللہ پڑھ کر پھونکتے ہیں، جس سے پانی میں ایک خاص قسم کی تبدیلی واقع ہوجاتی ہے اور پانی میں ایک خاص قسم کے بلور بن جاتے ہیں جو صحت کے لئے فائدے مند ہوتے ہیں۔

☆☆☆